لکھنؤ میں امامِ حرم کی آمد اور مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدیوں کی چار رکعت والی فرض نمازیں

از: مولانا عبدالعلی فاروقی

یکم مئی ۲۰۱۲ء کی سہ پہر سے ۶ رمئی ۲۰۱۲ء کی شب تک ۶ ردن لکھنؤ والوں کو موسم بہار کی حیثیت سے بہت دن تک یاد رہیں گے؛ کیوں کہ ان دنوں میں امام الحرمین شیخ خالد بن علی غامدی شہر لکھنؤ کے مہمان کی حیثیت سے رہے، اور لکھنؤ کے مسلمانوں کو ان کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنے کے خوب خوب مواقع ملے۔ پہلے دن تو اپنی قیام گاہ ''ہوٹل تاج'' ہی کے گراؤنڈ میں بہت مخصوص لوگوں کو صرف ایک نماز عشار ہی امام صاحب نے اپنی اقتدا میں ادا کرائی؛ لیکن ۲ رمئی سے ۶ رمئی تک ہر دن متعدد و مختلف عوامی مقامات میں خوش نصیب مسلمانوں کو کئی کئی نمازیں امام حرم مکی و مدنی کے پیچھے پڑھنے کے مواقع ملے، اور خوش بخت مسلمانوں نے بھی اپنی اپنی سہولت و گنجائش کے لحاظ سے بٹتی اور لٹتی ہوئی اس نعمت کو حاصل کرنے میں یہ سوچ کر کوتاہی روا نہیں رکھی کہ نماز باجماعت جیسی عبادت، اور وہ بھی امام حرم بلکہ امام حرمین و امام مسجد خیف و مسجد قبا کی اقتدا میں ادا کر لینا ہر ایک کی قسمت میں کہاں؟ ع

ہر پھول کی قسمت میں کہاں نازِ عروساں

لکھنؤ کے مسلمان یقیناً اس اعتبار سے ''مقدر کے سکندر'' کہلائے جانے کے حق دار ہیں کہ انھیں اتنی مرتبہ حرمین شریفین (زادھما اللہ مجدا و شرفاً) کے باوقار و باکمال اماموں کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنے کے مواقع ملے کہ ملک کے کسی دوسرے شہر کے مسلمانوں کو شاید ہی اتنے مواقع مل سکے ہوں؟ اور ہم کیوں کر فراموش کر دیں اس موقع پر اپنے محسن، اور عالم اسلام کی ہر دل عزیز شخصیت حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو جن کی دعوت پر پچھلے چار مواقع پر ائمہ کرام تشریف لائے اور لکھنؤ و اطراف لکھنؤ کے خوش نصیب مسلمانوں کو ان کی اقتدا میں نمازیں ادا

کرنے کی توفیق ملی۔ وذلك فضل الله يوتيه من يشاء —— اور اب یہ پانچواں موقع (یکم تا ۶؍مئی ۲۰۱۲ء) بھی حضرت مولانا علی میاں صاحب کے جانشین حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے طفیل ہی لکھنؤ والوں کے ہاتھ آیا کہ ان ہی کی خصوصی دعوت پر امام صاحب لکھنؤ تشریف لائے اور لکھنؤ والوں کو اپنی زیارت وفیوض سے شادکام کیا۔

امام حرم مدت فيوضهم کا حالیہ دورہ اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل رہا کہ کسی ایک شہر میں امام حرم جیسی مقتدر شخصیت کا پہلی مرتبہ اتنا طویل قیام رہا، اور بفضلہٖ تعالیٰ مسلمانان لکھنؤ نے ان سے استفادہ کرنے میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس مدت میں امام صاحب نے متعدد اداروں اور تنظیموں کی طرف سے منعقد ہونے والے پروگراموں میں شرکت فرمائی اور کہیں مختصر تو کہیں مفصل عالمانہ وسحر انگیز خطابات سے لاکھوں سامعین کو مستفید فرمایا۔ امام محترم نے اپنے ان خطابات میں مجموعی طور پر تین نکات پر زور دیا۔

(۱) اسلام نام ہی سلامتی میں داخل ہونے اور اسے قبول کرلینے کا ہے، لہٰذا حقیقی مسلمان وہی ہوسکتا ہے جو اپنے ملک، اپنے معاشرہ، اور اپنے سے وابستہ تمام افراد کے لیے امن وسلامتی کا پیغام بر اور اس کی عملی تصویر بن کر رہے۔

(۲) اسلام کو حقیقی طور پر قبول کرلینے والوں کے لیے الگ سے کسی ''دعوت اتحاد'' کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی ہمارے روشن اور تابناک ماضی میں اس کی کبھی ضرورت محسوس کی گئی؛ کیوں کہ اسلامی کلمہ کے حقوق اور اس کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنے والے خود ہی ایک ڈور میں باہم منسلک ہوجاتے ہیں۔ اور دوسروں کے جان ومال اور عزت ووقار کا لحاظ، اور اس کی خاطر ہر قسم کے ایثار اور ہر طرح کی قربانی دینے کا جذبہ ان میں اس طرح سرایت کرجاتا ہے کہ وہ فاصبحتم بنعمته اخواناً کی تفسیر بن جاتے ہیں۔

(۳) پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور ان کی دعوت سے کوئی حقیقی اور سچا رشتہ صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ وتبع تابعینؒ، ائمۂ کرام خصوصاً ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اور پھر اسی طرح محدثین عظامؒ اور فقہاء کرامؒ سے تعلق جوڑے اور ان کے احسانات کو تسلیم کیے بغیر قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ آج سارے عالم میں مسلمان اختلاف وانتشار اور اختلال وافتراق کے اسی لیے شکار ہیں کہ انہوں نے اپنے اسلاف کرام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ولائق اعتماد وارثوں سے اپنا ناتہ توڑ لیا ہے۔

امام حرم شیخ الغامدی نے اپنے خطابات ومذاکرات میں علمائے ہند خصوصاً خانوادۂ ولی اللہی، علمائے فرنگی محل، علمائے دیوبند، اور علمائے ندوہ کی دینی خدمات، اور ان میں بھی خاص طور پر ناموں کی صراحت کے ساتھ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، اور حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی دینی ودعوتی خدمات کا بھرپور انداز میں اعتراف کرتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے ان اسلاف کے نقوش قدم پر گامزن ہونے کی تلقین فرمائی۔

ظاہر ہے کہ امام حرم کے یہ تمام خطابات وفرمودات ان کی اپنی مادری زبان عربی ہی میں ہوئے، جن کا خلاصہ مختلف علمائے کرام نے ہماری مادری زبان اردو میں اپنے اپنے انداز سے پیش تو کردیا؛ لیکن بہرحال نہ وہ امام حرم کی زبان تھی اور نہ اس میں امام صاحب والا جذب اندروں اور جوش وجذبہ تھا؛ اس لیے مناسب ہوگا کہ امام صاحب کے ان تمام خطبوں کو ان کے اصل متن، اور کم ازکم اردو وہندی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا جائے؛ تاکہ وسیع پیمانہ پر ان سے استفادہ کی راہیں کھل سکیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لکھنؤ والوں، خصوصاً لکھنؤ کے مسلمانوں کے لیے یہ چھ دن ایک عجیب قسم کے جوش وولولہ سے بھرپور رہے۔ امام حرم کے استقبال، ان کی زیارت، ان سے مصافحہ، ان کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنے، اور ان کے بیانات میں شریک ہونے کے سلسلہ میں لکھنؤ و اطراف لکھنؤ کے عام مسلمانوں نے جس جوش وخروش اور جس عقیدت ومحبت کا اظہار کیا، اس سے خود امام صاحب بھی بے حد متاثر ہوئے۔ اور ان کو کئی بار اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

جمعہ ۴؍مئی کو امام حرم کی اقتدا میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کا تو اس قدر اہتمام کیا گیا کہ شب جمعہ ہی سے ہزاروں کی تعداد میں شہر و بیرون شہر کے مسلمانوں نے ندوہ اور اس کے جوار میں پڑاؤ ڈال دیا، اور پھر نماز فجر کے بعد سے نماز جمعہ تک انسانوں کا وہ سیلاب نظر آیا کہ جیسے لکھنؤ کی ہر سڑک ندوہ ہی پر جاکر ختم ہورہی ہو؟ محتاط اندازہ کے مطابق کم و بیش پانچ لاکھ مسلمانوں نے امام حرم شیخ غامدی کی اقتدا میں نماز ادا کی ـــــ اور ظاہر ہے کہ اس میں بڑی تعداد ان ہی لوگوں کی تھی جنہوں نے خوشی خوشی دھوپ کی تمازت بھی برداشت کی۔ چاہت اور کوشش کے باوجود وہ اپنے امام کی ایک جھلک بھی نہ پاسکے، پھر بھی وہ یہ سوچ کر شاداں و فرحاں تھے کہ انہوں نے امام حرم کی اقتدا میں نماز ادا کرلی۔ حرم، ارضِ حرم، اور مسجد الحرام اور اس

کے امام سے یہ عقیدت ومحبت، اور جذباتی لگاؤ، مسلمانوں کا بیش قیمت سرمایہ ہے، اور یہ وابستگی انشاء اللہ اجر سے خالی نہیں رہ سکتی ہے۔

ان تمام پایابیوں کے دوش بدوش ایک بہت ہی اہم، اور بھرپور توجہ حاصل کرنے والا خالص دینی مسئلہ یہ ہے کہ ان چھ دنوں کے دوران جہاں جہاں جن جن حنفی مسلک کے پابند مسلمانوں نے (جن کی تعداد یقینی طور پر لکھنؤ میں کم از کم ۹۵ فیصد رہی) امام صاحب کی اقتدا میں چار رکعت والی نمازیں (ظہر، عصر اور عشاء) فرض نماز کی نیت سے ادا کیں، کیا ان کی وہ نمازیں ہوگئیں؟ اور ان کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہوگیا؟ اور وہ گناہ گار نہیں ہوئے؟

یہ سوال راقم الحروف نہیں اٹھا رہا ہے، بلکہ یہ سوال اہل علم، خصوصاً علمائے دین کے چرچا میں ہے ـــــ اور صرف راقم الحروف سے کم از کم دس ذی فہم وباشعور مسلمان یہ سوال کر چکے ہیں، جس کا اب تک راقم الحروف کوئی ایسا واضح اور تسلی بخش جواب نہیں دے سکا ہے جس سے ''دینی ضمیر'' بھی سلامت رہے، اور ''پگڑیوں'' پر بھی کوئی آنچ نہ آئے؟

اس سوال کی جواب دہی کی سو فی صد ذمہ داری علمائے دین، خصوصاً ان علماء کی ہے جنہوں نے امام صاحب کی اقتدا میں ان (چار رکعت والی) نمازوں کی ادائیگی کا انتظام بھی کیا اور تشہیر و تحریض کے ذریعہ کثیر سے کثیر تر تعداد میں حنفی مسلمانوں کو امام صاحب کی اقتدا میں ان نمازوں کی ادائیگی پر آمادہ بھی کیا؟ کیوں کہ مسلم عوام کو عموماً یہ تفصیل نہیں معلوم ہوتی کہ مسافر کے لیے نمازوں میں قصر عزیمت ہے یا رخصت؟ اور قصر کرنے یا نہ کرنے میں اختیار ہے یا وجوب؟ اور پھر اس سلسلہ میں فقہاء کے مسالک کیا ہیں؟

جہاں تک مسئلہ کی بات ہے تو فقہ حنفی کی مشہور، معتبر ومتداول کتاب ہدایہ میں مسافر کی نماز کا یہ حکم بیان کیا گیا ہے:

و فرض المسافرفی الرباعیة رکعتان لا یزید علیهما و قال الشافعیؒ فرضه الأربع و القصر رخصة اعتباراً بالصوم و لنا أن الشفع الثانی لا یقضی و لا یأثم علی ترکه و هذا اٰیة النافلة بخلاف الصوم لانه یقضی. و إن صلی أربعاً و قعدفی الثانیة قدر التشهد أجزأته الأولیان عن الفرض و الأخریان له نافلة. اعتباراً بالفجر و یصیر مسیئاً لتاخیر السلام. (هدایه، ج۱، کتاب الصلوٰة، ص۱۷٤)

مسافر پر چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعت ہی فرض ہیں، اس سے زیادہ نہیں پڑھے گا، اور امام شافعیؒ نے فرمایا (اور یہی امام مالکؒ، اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی مسلک ہے) کہ مسافر کے لیے بھی فرض تو چار ہی رکعت ہیں، (یعنی عزیمت اس کے لیے بھی چار رکعت ہی میں ہے) اور قصر (چار کے بجائے دو رکعت) رخصت ہے۔ جیسا کہ روزہ کے معاملہ میں ہے (کہ مسافر رمضان میں نہ رکھ کر بعد میں اس کی قضا کرسکتا ہے) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مسافر شفع ثانی (دوسری دو رکعت) کی قضا نہیں کرتا نہ ہی ایسا کرنے سے وہ گنہگار ہوتا ہے، یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کے حق میں شفع ثانی کی حیثیت نفل کی ہے، بہ خلاف روزہ رمضان کے کہ اس کی (رمضان کے بعد) قضا کی جاتی ہے۔

اور اگر (مسافر نے) چار رکعت ہی پڑھ لی اور دوسری رکعت کے قعدہ میں وہ تشہد پڑھنے کی مقدار بیٹھا ہے تب تو اس کی پہلی دو رکعتیں فرض میں شمار ہوجائیں گی اور آخر کی دو رکعتیں نفل ہوجائیں گی، فجر کی نماز کی طرح (کہ یہ اسی طرح بجائے دو کہ چار پڑھ لینے پر ادا ہوجاتی ہے) البتہ اس صورت میں (یعنی دو کے بجائے چار رکعت پڑھنے میں) مسافر گنہگار ہوگا؛ کیوں کہ اس نے سلام پھیر کر نماز ختم کرنے میں تاخیر کی ہوگی۔

مسافر کی نماز میں قصر (دو رکعت) یا اتمام (چار رکعت) کے تعلق سے یہ ایک حوالہ محض اس لیے دیا گیا کہ بات گھما پھرا کر اور گول مول انداز میں نہ کی جاسکے، اور اس حکم کی پوری طرح وضاحت ہوجائے کہ حنفی مسلک کے مطابق مسافر کے لیے چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنا (یعنی دو رکعت پڑھنا) ضروری ہے اور اسے دو کے بجائے چار رکعت پڑھنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ وہ اگر حکم عدولی کرکے دو کے بجائے چار رکعت پڑھے گا تو گنہگار ہوگا؛ کیوں کہ اس کے حق میں دو رکعت ہی فرض ہیں؛ اسی لیے اگر چار پڑھ بھی لے تو فرض پہلی دو کعت ہی شمار ہوں گی اور بعد والی دو رکعتیں نفل ہوں گی۔

یہ تو ہوا خود مسافر کے منفرد ہونے کی صورت میں اس کی اپنی چار رکعت والی نمازوں کے حکم کا بیان کہ اگر وہ دو کے بجائے چار رکعت پڑھے گا تو گنہگار بھی ہوگا، اور بعد والی دو رکعتیں بھی فرض نہ ہوکر نفل شمار ہوں گی؛ کیوں کہ اس کے اوپر مسافر ہونے کی وجہ سے چار کے بجائے دو رکعت ہی فرض تھی ـــــ اب اگر یہی مسافر امام ہوکر دو کے بجائے چار رکعت پڑھائے اور اس کی اقتدا میں وہ لوگ نماز پڑھیں جن پر چار رکعت ہی فرض ہیں تو ان کی نماز کیوں کر درست ہوگی؟

کیوں کہ ان کے امام نے چار رکعت تو پڑھائی ہیں؛ مگر ان میں سے پہلی دو رکعتیں ہی فرض ہیں اور بعد والی دو رکعتیں نفل ہیں ـــــ جب کہ مقتدی کو چاروں رکعت فرض ہی ادا کرنا ہے؟

اس جگہ فقہاء کے اقوال، ان کے دلائل، اور پھر ان میں راجح ومرجوح کی بحث نہیں کرنا ہے، نہ ہی ان حنبلی مسلک کے پیرو امام صاحب کے چار رکعت نماز پڑھانے پر کوئی اعتراض جتانا ہے جن کے امام (احمد بن حنبلؒ) کی ایک روایت کے مطابق مسافر کے لیے چار رکعت والی فرض نماز میں چار رکعت ادا کرلینے کی اجازت ہے۔ سارا معاملہ تو ان حنفی مسلک کے پیرو ہزار ہا ہزار مقتدیوں کی نمازوں کا ہے، جنہوں نے اپنے علماء پر اعتماد کرتے ہوئے بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ امام حرم کی اقتداء میں چار رکعت فرض پڑھ کر یہ اطمینان کرلیا کہ ہماری چار رکعت کا یہ فریضہ نہ صرف یہ کہ ادا ہوگیا؛ بلکہ امام حرم کی اقتدا میں ادا کرنے کی وجہ سے کچھ اجر وثواب زائد ہی ملے گا۔ ـــــ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی یہ نماز ہی خطرہ میں پڑ گئی، اور نفل ادا کرنے والے کی امامت میں فرض ادا کرنے والے کی نماز ہی درست نہیں ہوئی اور حنفی مسلک کے متبع ایسے تمام ہزار ہا ہزار مقتدیوں کو اپنی فرض نمازیں پھر سے ادا کرنا چاہیے؛ کیوں کہ امام صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی چار رکعتیں ان کے لیے نفل تو ہوسکتی ہیں؛ لیکن اس سے ان کا ظہر، عصر، یا عشاء کا فریضہ ساقط نہیں ہوا ہے۔

یہ ایک ایسا دینی وشرعی مسئلہ ہے جس کا براہِ راست تعلق نماز جیسی اہم اسلامی عبادت سے ہے، اور جس کے سلسلے میں کسی بھی چھوٹے بڑے، مشہور یا غیر مشہور عالم کو اپنی انفرادی رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے۔

ہم اپنے حسنِ ظن کی بنیاد پر یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ خود دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مفتی صاحب، اور وہاں کے دیگر فقہاء ومعتبر علماء سے استفتا کیا جائے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ چار رکعت پڑھانے والے مسافر امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے مقیم مقتدیوں کی فرض نماز ادا نہیں ہوئی اور ان کا فریضہ ان کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوا ـــــ یہی وجہ ہے کہ بعض محتاط اور مسئلہ سے واقفیت رکھنے والے حضرات نے یا تو امام صاحب کی اقتدا میں پڑھنے والی ان چار رکعت کے لیے شروع ہی سے فرض کے بجائے نفل کی نیت کی، یا پھر اپنی فرض رکعتیں پھر سے دوہرالیں ـــــ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کرنے والوں کی تعداد بہت کم اور آٹے میں نمک کے برابر ہوگی ـــــ تو پھر بقیہ ہزار ہا ہزار لوگوں کی فرض نمازوں کا کیا ہوگا؟

کیا اس اہم مسئلہ کا حل تلفیق (اس اصطلاح سے علماء بہ خوبی واقف ہیں) ہے؟ یا کسی ایک دو غیر ذمہ دار و غیر محتاط لوگوں کا یہ کہہ دینا کہ ''سب کی نماز ہوگئی'' کافی ہوگا؟ کیا دینی اور خالص دینی مسائل میں اپنی رائے اور نفسانی خواہشوں کے مطابق بات کرنے کو ''بے جا جسارت اور مداخلت فی الدین'' کے سوا کسی دوسرے عنوان سے یاد کیا جاسکتا ہے؟ کیا دین کو بازیچۂ اطفال بنتے دیکھ کر بھی علمائے حق کا خاموش رہنا مناسب ہے؟

مسئلہ کسی مسلک کو کسی دوسرے پر تھوپنے کا نہیں ہے؛ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس مسلک کا جو متبع ہے اسے کیا اپنی خواہش، اپنی مصلحت، یا اپنے منافع وسہولت کے مطابق اپنے امام اور اپنے مسلک کے خلاف کرنے کی بھی اجازت دے دی جائے گی؟ —— اور وہ بھی ''کارِ ثواب'' اور عبادت سمجھ کر؟

اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ حرم کے امام محترم کے ہمارے ملک میں پہلی مرتبہ اتنے طویل قیام، اور پھر اس قیام کے دوران ان سے ہر جگہ نمازیں پڑھوانے کی مصلحت کیا تھی؟ اور بلا کسی عذر شرعی ومنفعت دینی کے ہزار ہا ہزار حنفی مسلک کے متبع مسلمانوں کی ظہر، عصر یا عشاء کی فرض نمازیں غیر اصولی وغیر شرعی طریقہ پر ادا کرانے کی ذمہ داری کن لوگوں پر ہوگی؟

امام صاحب کی تمام تر سہولیات اور ان کے وقار واعزاز کو ملحوظ رکھ کر بھی یہ ہوسکتا تھا کہ ان سے صرف مغرب کی نماز کی امامت کرائی جاتی، اور ان کے چھ روزہ قیام کے دوران وہ چھ الگ الگ مقامات پر صرف مغرب کی نمازیں پڑھاتے تو ان کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنے والوں کے لیے کسی قسم کا خلجان بھی نہ رہتا؛ لیکن اب جب کہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ امام صاحب سے ایک ایک مقام پر کئی کئی نمازیں پڑھوائی جاچکیں —— تو سوال یہ ہے کہ ''علماء'' کی ذمہ داری پر جن حنفی مسلمانوں کی فرض نمازیں واجب الاعادہ ہیں، انھیں ''یہ علماء'' اپنے تساہل و''تجاہلِ عارفانہ'' کی اطلاع کیوں کر دیں گے؟ اور اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کی فرض نمازوں کی درستگی کا کیا انتظام کریں گے؟

اللہ بس —— باقی ہوس